© rasailojaraid.com

امام ابو یوسف اور اُن کا کام

ابُوالاعلیٰ مودودی

امام ابو حنیفہ کی زندگی میں ان کے سیاسی مسلک اور حکومت کے ساتھ ان کے ترکِ تعاون کی وجہ سے سلطنت عباسیہ اور حنفی مدرسۂ فکر کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو چکے تھے، اور یہ اثر بعد میں بھی اچھی خاصی مدت تک باقی رہا۔ ایک طرف اس مدرسے کے اکابر اپنے ترکِ تعلق پر جمے رہے، چنانچہ امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد ان کے نامور شاگرد زُفَر بن الہُذَیل (م ۱۵۸ھ ۷۷۵ء) کو جب منصب قضا قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو انہوں نے بھی انکار کر دیا اور جان بچانے کے لیے رُوپوش ہو گئے۔[1] دوسری طرف المنصور سے لے کر ہارون الرشید کے ابتدائی عہد تک سلطنت کا رجحان یہ رہا کہ اس مدرسۂ فکر کے اثر کی مزاحمت کی جائے، اور اسی بنا پر منصور اور اس کے جانشین یہ کوشش کرتے رہے کہ ملک کے نظامِ قانون کا جو خلا ایک مدوّن قانون مانگ رہا ہے اسے کسی دوسری تدوین سے بھرا جائے۔ اس غرض کے لیے المنصور اور المہدی نے بھی اپنے اپنے زمانوں میں امام مالک کو سامنے لانا چاہا،[2] اور ہارون الرشید نے بھی ۱۷۴ھ ۷۹۱ء میں حج کے موقع پر یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کی کتاب المُوَطّا کو ملک کا قانون بنایا جائے۔[3] لیکن آخر کار اس مدرسۂ فکر سے ایک ایسی طاقت ور شخصیت اٹھی جس نے اپنی اعلیٰ قابلیت اور اپنے زبردست اثر و رسوخ سے سلطنتِ عباسیہ کے قانونی انتشار کو ختم کیا، حنفی فقہ کو ملک کا قانون بنایا اور سلطنت کو ایک آئین پر قائم کر دیا۔ یہ شخصیت امام ابو حنیفہ کے سب سے

[1] الکردری، ج ۲، ص ۱۸۳۔ مفتاح السعادہ، ج ۲، ص ۱۱۴

[2] ابن عبد البر، الانتقاء، ص ۴۰-۴۱

[3] ابونعیم الاصفہانی، حلیۃ الاولیاء، ج ۶، ص ۳۳۲، المطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۵۵ھ، مفتاح السعادہ، ج ۲، ص ۸۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑے شاگرد امام ابو یوسف کی تھی۔

ان کا اصل نام یعقوب تھا۔ عرب کے قبیلۂ بَجیلہ سے تھے اور مدینہ کے انصار سے ننھیالی تعلق اور حِلف کے تعلق کی بنا پر ان کا خاندان انصاری کہلاتا تھا۔ کوفے کے باشندے تھے۔ ۱۱۳ھ / ۷۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد فقہ کو انہوں نے اختصاصی تعلیم کے لیے پسند کیا اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی شاگردی اختیار کی۔ پھر امام ابو حنیفہ کے حلقۂ درس میں آگئے اور مستقل طور پر انہی سے وابستہ ہو گئے۔ والدین نہایت غریب تھے۔ وہ ان کی تعلیم جاری نہ رکھنا چاہتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کو جب ان کے حالات کا علم ہوا تو انہوں نے نہ صرف ان کے مصارف، بلکہ ان کے سارے گھر کے مصارف کی کفالت بھی اپنے ذمّے لے لی۔ اُن کا اپنا قول ہے کہ مجھے کبھی امام ابو حنیفہ سے اپنی ضرورت بیان کرنے کی حاجت پیش نہیں آئی۔ وقتاً فوقتاً وہ خود ہی میرے گھر اتنا روپیہ بھیجتے رہتے تھے کہ میں بالکل بے فکر ہو گیا تھا۔[۴] وہ ابتدا ہی سے اپنے اس شاگرد کے متعلق بہت پُر امید تھے، چنانچہ جب ابو یوسف کے والد نے انہیں مدرسے سے اٹھا لینا چاہا تو امام نے فرمایا "ابو اسحاق، یہ لڑکا انشاء اللہ بڑا آدمی بنے گا"۔[۵]

علمی کمالات انہوں نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ وقت کے دوسرے بڑے بڑے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا اور حدیث، تفسیر، مغازی، تاریخِ عرب، لغت، ادب اور علم کلام میں بھی مہارت پیدا کی۔ خصوصاً حدیث کا وہ وسیع علم رکھتے تھے، حافظ حدیث تھے اور یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور علی بن المدینی جیسے لوگوں نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔[۶] ان کے متعلق ان کے ہم عصروں کی متفقہ رائے یہ تھی کہ ابو حنیفہ کے شاگردوں میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ طلحہ بن محمد کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ کوئی ان سے بڑھ کر نہ تھا۔[۷] داؤد بن رشید کا قول ہے کہ اگر ابو حنیفہ نے صرف یہی ایک شاگرد پیدا کیا ہوتا تو ان کے فخر کے لیے یہ بالکل کافی تھا۔[۸] امام ابو حنیفہ خود ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ جس نے علم حاصل کیا ہے وہ ابو یوسف ہے۔[۹]

---

[۴] المکی، ج ۲، ص ۲۱۲ [۵] ایضاً، ص ۲۱۳ [۶] ابن خلکان ج ۵، ص ۴۲۲۔ ابن عبدالبر، الانتقاء، ص ۱۷۲

[۷] ابن خلکان، ج ۵، ص ۴۲۴ [۸] المکی، ج ۲، ص ۲۳۲ [۹] الکردری ج ۲، ص ۱۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دفعہ وہ سخت بیمار ہوئے اور زندگی کی امید نہ رہی۔ امام ابو حنیفہ ان کی عیادت کر کے جب باہر نکلے تو کہنے لگے "اگر یہ جوان مرگیا تو اپنے پیچھے اس زمین پر اپنے سے زیادہ بڑا فقیہ چھوڑ کر نہ جائے گا۔"[۱۰]

فقہ حنفی کی تدوین امام ابو حنیفہ کے بعد ۱۶ سال تک یہ بھی اپنے مدرسے کی روایات کے مطابق حکومت سے بے تعلق رہے۔ اس دوران میں انہوں نے اپنے استاد کے علمی و تعلیمی کام کو جاری رکھا، اور اس کے ساتھ ایک اہم خدمت یہ انجام دی کہ قانون کے اکثر بیشتر شعبوں کے متعلق الگ الگ کتابیں مرتب کر دیں جن میں امام ابو حنیفہ کی مجلس کے فیصلے اور خود اپنے اقوال باقاعدہ منضبط کر دیئے[۱۱]۔ یہ کتابیں جب ملک میں پھیلیں تو نہ صرف یہ کہ عام علمی حلقوں کو انہوں نے متاثر کیا، بلکہ عدالتوں اور تمام سرکاری محکموں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی رائے بھی فقہ حنفی کے حق میں ہموار کر دی، کیونکہ اس وقت کوئی دوسرا مرتب و منظم قانونی ذخیرہ ایسا موجود نہ تھا جو ان کی ضرورت اس طرح پوری کرتا۔ امام مالک کی الموطأ اگرچہ جلدی ہی میدان میں آگئی، مگر وہ نہ اتنی جامع تھی، نہ تدوین کے اعتبار سے اس قدر واضح کہ ایک حکومت کی ضروریات پوری کر سکتی[۱۲]۔ ابو یوسف کے اس علمی کام کا فائدہ یہ ہوا کہ ان کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے ہی فقہ حنفی دماغوں اور معاملات پر چھا چکی تھی، اور صرف اس امر کی کسر باقی تھی کہ سیاسی اقتدار باقاعدہ اس کو ملک کا قانون بنا دے۔

منصبِ قضاء شاید ابو یوسف بھی اپنے استاد کی طرح اپنی ساری زندگی حکومت سے عدمِ تعاون ہی کی روش پر گزار دیتے اگر ان کی معاشی حالت کچھ بھی درست ہوتی لیکن وہ ایک غریب آدمی تھے اور امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد ایک فیاض سرپرست سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ آخر افلاس نے نوبت

۱۰ ابن خلکان، ج ۵، ص ۴۲۴۔ الکردری، ج ۲، ص ۱۲۶

۱۱ فہرست ابن الندیم المطبعۃ الرحمانیہ، مصر، ۱۳۴۸ھ۔ ابن خلکان طلحہ بن محمد کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ کے تمام بنیادی شعبوں پر حنفی مذہب کے مطابق کتابیں مرتب کیں اور ابو حنیفہ کے علم کو روئے زمین پر ہر طرف پھیلا دیا۔ ج ۵، ص ۴۲۴۔

۱۲ واضح رہے کہ مذہب مالکی کے مطابق اسلامی فقہ کی تدوین، جس سے وہ ایک سلطنت کی ضروریات کے لیے کافی ہو سکے، بعد میں امام محمد کی کتابوں کے نمونے پر ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں تک پہنچا دی کہ اپنی بیوی کے مکان کا ایک شہتیر تک انہوں نے بیچ ڈالا اور ان کی ساس نے اس پر انہیں کچھ اس طرح ملامت کی کہ ان کی غیرت اسے برداشت نہ کر سکی۔ یہی سبب تھا جس نے انہیں سرکاری ملازمت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد ۱۶۶ھ ۷۸۲ء میں وہ بغداد گئے، خلیفہ المہدی سے ملے اور اس نے انہیں شرقی بغداد کا قاضی مقرر کر دیا۔ الہادی کے زمانے میں بھی وہ اسی پوزیشن پر رہے۔ پھر جب ہارون الرشید کا زمانہ آیا تو رفتہ رفتہ خلیفہ پر ان کا اثر اس قدر بڑھتا چلا گیا کہ آخر کار اس نے انہیں تمام سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلم ریاست میں یہ منصب قائم ہوا۔ اس سے پہلے کوئی شخص خلافتِ راشدہ یا اُموی اور عباسی سلطنتوں میں چیف جسٹس نہیں بنایا گیا تھا[۱۳]۔ اور یہ منصب جس پر امام ابو یوسف مامور کیے گئے، موجودہ زمانے کے تصور کے مطابق محض عدالت العالیہ کے حاکم اعلیٰ کا نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ وزیر قانون کے فرائض بھی اس میں شامل تھے۔ یعنی وہ مقدمات کے فیصلے کرنے اور ماتحت عدالتوں کے قاضی مقرر کرنے کے اختیارات ہی نہ رکھتے تھے بلکہ سلطنت کے تمام داخلی و خارجی معاملات میں قانونی رہنمائی کرنا بھی انہی کا کام تھا۔

اس منصب پر قاضی ابو یوسف کے فائز ہو جانے سے تین اہم نتائج رونما ہوتے۔ ایک یہ کہ ان کو محض ایک حلقۂ درس یا گوشۂ تصنیف و تالیف میں بیٹھ کر علمی کام کرنے والوں کی بہ نسبت بہت زیادہ وسیع دائرۂ عمل بہم پہنچ گیا جہاں اُس وقت کی سب سے بڑی سلطنت کے معاملات سے براہ راست عملاً سابقہ درپیش تھا۔ اس حیثیت میں انہیں فقہ حنفی کو واقعی حالات پر منطبق کر کے اسے زیادہ سے زیادہ ایک عملی نظامِ قانون بنانے کا موقع مل گیا۔ دوسرے یہ کہ تمام ممالک میں قاضیوں کا عزل و نصب چونکہ انہی سے متعلق تھا، اس لیے حنفی مدرسۂ قانون سے تعلق رکھنے والے لوگ مملکت کے بیشتر علاقوں میں قاضی مقرر ہوتے اور ان کے ذریعہ سے فقہ حنفی آپ سے آپ ملک کا قانون بن گئی۔ تیسرے یہ کہ انہوں نے اپنے زبردست اخلاقی اور علمی اثر سے مسلم مملکت کو، جو اُموی دور سے

۱۳؎ المکی، ج ۲، ص ۲۱۱ - ۲۳۹ - ابن خلکان، ج ۵، ص ۴۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک طرح کی بے آئینی اور بادشاہوں کی مطلق العنانی کے ڈھنگ پر چل رہی تھی، بڑی حد تک آئین کا پابند بنا دیا اور اسے ایک کتابِ آئین بھی مرتب کرکے دی جو خوش قسمتی سے آج بھی وہ کتاب الخراج کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔

سیرت کی بلندی اور مضبوطی لیکن قبل اس کے کہ ہم اس آئینی کتاب پر گفتگو کریں، ایک عام غلط فہمی کو رفع کر دینا ضروری ہے۔ امام ابو یوسف کے سوانح نگاروں نے ان کے متعلق کچھ ایسی حکایات بیان کی ہیں جنہیں پڑھ کر آدمی کے سامنے ان کا نقشہ کچھ ایسا آتا ہے کہ گویا وہ بادشاہوں کے خوشامدی اور ان کی خواہشاتِ نفس کے مطابق قانونی حیلے گھڑنے والے تھے اور یہی خلفاء کے ہاں ان کے تقرب کا ذریعہ تھا۔ حالانکہ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص خوشامد کے ذریعہ سے بادشاہوں کا تقرب حاصل کرے اور ان کی خواہشات کے مطابق شرعی مسائل میں کتر بیونت کرتا رہے، وہ مقرب چاہے کتنا ہی ہو جائے، بادشاہوں پر اس کا اخلاقی اثر کبھی نہیں ہو سکتا۔ اب اگر ہم اُن واقعات کو دیکھیں جو خلفاء اور ان کے وزراء اور سپہ سالاروں کے ساتھ ان کے برتاؤ کے متعلق ہمیں معتبر تاریخوں میں ملتے ہیں تو ہمارے لیے یہ باور کرنا محال ہو جاتا ہے کہ ایک خوشامدی حیلہ ساز کبھی اس رویّے کی جرأت کر سکتا ہے۔ خلیفہ الہادی کے زمانہ میں جبکہ وہ محض شرقی بغداد کے قاضی تھے انہوں نے ایک مقدمہ میں خود خلیفہ کے خلاف فیصلہ کیا[۱۴]۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں ایک بوڑھے عیسائی نے خلیفہ کے خلاف ایک باغ کا دعویٰ کیا اور قاضی ابو یوسف نے خلیفہ کے رُو در رُو اس کی نہ صرف سماعت کی بلکہ خلیفہ سے اس کے دعوے کی تردید میں حلف لیا۔ اس پر بھی ابو یوسف مرتے دم تک افسوس کرتے رہے کہ میں نے خلیفہ کو اس کے برابر کیوں نہ کھڑا کیا[۱۵]۔ ہارون کے وزیر اعظم علی بن عیسیٰ کو انہوں نے ناقابلِ اعتبار گواہ قرار دیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ میں نے اس کو انا عبد الخلیفہ (میں خلیفہ کا غلام ہوں) کہتے سنا ہے، اگر یہ واقعی غلام ہے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جا سکتی اور اگر یہ خوشامد کی بنا پر

---

[۱۴] الکردری، ج ۲، ص ۲۸۔

[۱۵] السرخسی، کتاب المبسوط، ج ۱۶، ص ۶۱۔ المکی، ج ۲، ص ۲۴۴-۲۴۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھوٹ کہتا ہے تو ویسے ہی ناقابلِ اعتبار ہے[16]۔ یہی اخلاقی سزا اسی طرح کی خوشامد پر انہوں نے ہارون کے ایک سپہ سالار کو بھی دی[17]۔ عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ وہ ہارون الرشید کے ہاں اس شان سے جاتے تھے کہ سراپردہ کے اندر تک ان کی سواری جاتی تھی درجہاں وزیر اعظم کو بھی پیدل جانا پڑتا تھا اور خلیفہ خود آگے بڑھ کر سلام کی ابتدا کرتا تھا[18]۔ ہارون سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ آپ نے ابو یوسف کو اتنا اونچا مرتبہ کیوں دیا ہے؟ اس نے کہا میں نے اس شخص کو علم کے جس باب میں بھی جانچا کامل پایا۔ اس کے ساتھ وہ ایک راست رو اور مضبوط سیرت کا آدمی ہے۔ اس جیسا کوئی دوسرا آدمی ہو تو لاؤ[19]۔ ۱۸۲ھ (۷۹۸ء) میں جب ان کا انتقال ہوا تو ہارون الرشید خود ان کے جنازے کے ساتھ پیدل گیا، خود نماز جنازہ پڑھائی، اپنے خاندان کے قبرستان میں انہیں دفن کیا اور کہا یہ ایسا حادثہ ہے کہ تمام اہل اسلام کو اس پر ایک دوسرے کو تعزیت دینی چاہیے[20]۔ سب سے بڑی شہادت ہمارے پاس ان کی کتاب الخراج ہے۔ اس کے دیباچے ہی کو دیکھ کر آدمی جان سکتا ہے کہ ایک خوشامدی کسی بادشاہ کو مخاطب کرکے یہ باتیں نہیں لکھ سکتا۔

کتاب الخراج قاضی ابو یوسف کو ہارون الرشید کی ذات میں ایک ایسا خلیفہ ملا تھا جو متضاد صفات کا مجموعہ تھا۔ وہ بیک وقت ایک تند مزاج سپاہی بھی تھا، ایک عیش پسند بادشاہ بھی، اور ایک خدا ترس دیندار بھی۔ ابو الفرج الاصبہانی اس کی صفت ایک فقرے میں بیان کرتا ہے کہ "وہ وعظ و نصیحت کے موقع پر سب سے زیادہ رونے والا اور غیظ و غضب کے وقت سب سے بڑھ کر ظلم و ستم ڈھانے والا تھا[21]"۔ امام ابو یوسف نے اپنے کمال فراست و تدبر سے اس کے کمزور پہلوؤں کو چھیڑے بغیر

[16] المکی، ج ۲، ص ۲۲۶-۲۲۷ [17] ایضاً، ج ۲، ص ۲۴۰

[18] المکی، ج ۲، ص ۲۴۰ – ملا علی قاری، ذیل الجواہر المضیئہ، ص ۵۲۶

[19] المکی، ج ۲، ص ۲۳۲۔

[20] الکردری، ج ۲، ص ۱۲۰

[21] کتاب الاغانی، ج ۳، ص ۱۷۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی فطرت کے دینی پہلو کو اپنے علمی و اخلاقی اثر سے متاثر کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا جب اس نے خود انہیں اس کام پر مامور کیا کہ وہ سلطنت کے لیے ایک کتابِ آئین مرتب کر دیں تاکہ آئندہ اسی کے مطابق ملک کا انتظام کیا جائے۔ یہی کتاب الخراج کا سببِ تالیف تھا جیسا کہ امام موصوف نے اس کے دیباچے میں بیان کیا ہے:

"امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ چاہا ہے کہ میں ان کے لیے ایک جامع کتاب تیار کروں جس کے مطابق خراج، عُشور، صدقات اور جزیوں کی تحصیل میں اور دوسرے اُن معاملات میں عمل کیا جائے جن کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری اُن پر ہے۔ ..... انہوں نے کچھ امور کے متعلق سوالات بھی مجھ سے کیے ہیں جن کا وہ تفصیلی جواب چاہتے ہیں تاکہ آئندہ ان امور میں اس پر عمل درآمد ہو۔"

کتاب میں جگہ جگہ انہوں نے ہارون الرشید کے بھیجے ہوئے اِن سوالات کے جو حوالے دیئے ہیں ان کو دیکھنے سے گمان ہوتا ہے کہ غالباً یہ ایک سوالنامہ تھا جو حکومت کے سکرٹریٹ کی طرف سے اہم دستوری، قانونی، انتظامی اور بین الاقوامی مسائل کے بارے میں مرتب کیا گیا تھا تاکہ وزارتِ قانون سے اس کا واضح جواب حاصل کر کے مملکت کا ایک مستقل ضابطہ بنا دیا جائے۔ کتاب کے نام سے بظاہر یہ دھوکا ہوتا ہے کہ صرف خراج (REVENUE) ہی اس کا موضوع ہے، لیکن دراصل وہ مملکت کے قریب قریب تمام معاملات سے بحث کرتی ہے۔ اب ہم اس کی دوسری تفصیلات کو چھوڑ کر صرف اِس پہلو سے اس کے مضامین کا جائزہ لیں گے کہ وہ مملکت کا اصولی تصوّر و نظام کیا پیش کرتی ہے۔

خلافتِ راشدہ کی طرف عَود | سب سے پہلی چیز جو پوری کتاب کو بغور پڑھنے سے نمایاں طور پر آدمی کے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف خلیفہ کو بنی امیہ و بنی عباس کی قیصری و کسروی روایات سے ہٹا کر ہر پہلو سے خلافتِ راشدہ کی روایات کے اتباع کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اگرچہ کہیں یہ نہیں کہا ہے کہ وہ اپنے پیش روؤں کی روایات چھوڑ دے، لیکن کسی جگہ انہوں نے بھولے سے بھی بنی امیہ تو درکنار خود ہارون الرشید کے باپ دادا کے طرزِ عمل اور فیصلوں کو بھی نظیر کی حیثیت سے پیش نہیں کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر معاملہ میں وہ یا تو قرآن و سنّت سے استدلال کرتے ہیں، یا پھر نظائر لاتے ہیں تو ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ کے دَور حکومت سے، اور بعد کے خلفاء میں سے اگر کسی کے اعمال کو انہوں نے نظیر بنایا ہے تو وہ المنصور یا المہدی نہیں بلکہ بنی امیّہ کے خلیفہ عمر بن عبد العزیز ہیں۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ سلطنتِ عباسیہ کا یہ آئینِ سلطنت مرتب کرتے وقت انہوں نے عمر بن عبد العزیز کے ڈھائی سال کو مستثنیٰ کر کے حضرت علیؓ کی وفات سے لے کر ہارون الرشید کے زمانہ تک تقریباً ۱۳۲ سال کی حکومت کے پورے رواج و تعامل کو نظر انداز کر دیا۔ یہ کام اگر کسی نجی فقیہ نے محض وعظ و نصیحت کے طور پر بالکل غیر سرکاری حیثیت میں کیا ہوتا تو اس کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی، لیکن یہ دیکھتے ہوئے اس کی بہت بڑی اہمیت ہو جاتی ہے کہ اسے ایک چیف جسٹس اور وزیر قانون نے اپنی پوری سرکاری حیثیت میں خلیفۂ وقت کی سپرد کردہ ایک خدمت انجام دیتے ہوئے کیا ہے۔

حکومت کا تصوّر | کتاب کے آغاز ہی میں وہ خلیفہ کے سامنے حکومت کا جو تصوّر پیش کرتے ہیں وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:۔

> "اے امیر المومنین، اللہ تعالیٰ نے، جو حمد و ثنا کا ایک ہی مستحق ہے، آپ پر ایک بڑے بھاری کام کا بار ڈالا ہے۔ اِس کا ثواب سب سے بڑا اور اس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس نے اس امت کی سربراہی آپ کے سپرد کی ہے اور آپ شب و روز ایک خلقِ کثیر کے لیے تعمیر کرتے ہیں۔ اس نے آپ کو ان کا راعی بنایا ہے، ان کی امامت آپ کے حوالے کی ہے، ان کے ذریعہ آپ کو آزمائش میں ڈالا ہے، اور ان کے معاملات چلانے کی ذمّہ داری آپ کو سونپ دی ہے۔ جو تعمیر خوفِ خدا کے سوا کسی اور چیز پر کی جائے وہ کچھ دیر نہیں ٹھیرتی کہ اللہ اسے جڑ سے اکھاڑ کر اسی پر گرا دیتا ہے جو اس کا بنانے والا اور اس تعمیر میں اس کی مدد کرنے والا ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ راعیوں کو اپنے رب کے سامنے اسی طرح حساب دینا ہے جس طرح دنیا میں کوئی چرواہا گلّے کے مالک کو حساب دیتا ہے ۔ ۔ ۔ ٹیڑھی راہ نہ چلیے کہ آپ کا گلّہ ٹیڑھا چلنے لگے ۔ ۔ ۔ تمام لوگوں کو خدا کے قانون میں یکساں رکھیے خواہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ سے قریب ہوں یا دور ۔ ۔ ۔ ۔ کل خدا کے حضور آپ اس طرح نہ حاضر ہوں کہ آپ زیادتیاں کرنے والوں میں سے ہوں، کیونکہ یوم الدین کا حاکم لوگوں کے فیصلے ان کے اعمال کی بنا پر کرے گا نہ کہ مرتبوں کی بنا پر ۔ ۔ ۔ ۔ اس سے ڈریئے کہ آپ اپنے گلّے کو ضائع کریں اور گلّے کا مالک اس کا پورا پورا بدلہ آپ سے لے[22]۔"

اس کے بعد وہ پوری کتاب میں جگہ جگہ ہارون الرشید کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ وہ ملک کا مالک نہیں بلکہ اصل مالک کا خلیفہ ہے[23]، اگر وہ امام عادل بنے تو بہترین انجام دیکھے گا اور امام ظالم بن کر رہے تو بدترین عذاب سے دوچار ہوگا[24]۔ ایک جگہ وہ اسے حضرت عمرؓ کا یہ قول سناتے ہیں کہ "کوئی حق والا بھی دنیا میں اس مرتبے کو نہیں پہنچا ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے[25]"

روحِ جمہوریت | وہ صرف خدا ہی کے سامنے نہیں بلکہ خلق کے سامنے بھی خلیفہ کے جواب دہ ہونے کا تصور پیش کرتے ہیں اور اس کے لیے مختلف مقامات پر انہوں نے احادیث اور اقوالِ صحابہ نقل کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے فرمانروا اور حکّام کے سامنے آزادانہ تنقید کا حق حاصل ہے اور اس آزادی تنقید ہی میں قوم اور حکومت کی خیر ہے[26]۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مسلمانوں کا حق بھی ہے اور فرض بھی، اور اس کا دروازہ بند ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ قوم آخرکار عذابِ عام میں مبتلا ہو جائے[27]۔ فرمانروا میں اتنا تحمل ہونا چاہیے کہ وہ حق بات سنے۔ اس کے تندخو اور بے برداشت ہونے سے بڑھ کر ضرر رساں کوئی چیز نہیں[28]۔ اور مسلمانوں کو حق ہے کہ رعیّت کے جو حقوق فرمانروا پر ازروئے شرع عائد ہوتے ہیں اور

[22] الخراج، ص ۳-۴-۵۔ المطبعۃ السلفیہ۔ مصر طبع ثانی ۱۳۵۲ھ

[23] ایضاً، ص ۵

[24] ایضاً، ص ۸

[25] ایضاً، ص ۱۱۷

[26] ایضاً، ص ۱۲

[27] ایضاً، ص ۱۰-۱۱ [28] ایضاً، ص ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام کے مال کی جو امانتیں اس کے سپرد ہیں، ان پر اس سے محاسبہ کریں۔[۲۹]

خلیفہ کے فرائض انہوں نے خاص طور پر خلیفہ کے جو فرائض بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں: حدود اللہ کو قائم کرنا۔ حق داروں کے حقوق ٹھیک ٹھیک تحقیق کر کے ان کو دلوانا۔ صالح حکمرانوں کے دستور العمل کو (جسے ماضی کی ظالم حکومتوں نے ترک کر دیا تھا) زندہ کرنا۔[۳۰] ظلم کو روکنا اور عوام کی شکایات کو تحقیق کے بعد رفع کرنا۔[۳۱] اللہ کے احکام کے مطابق لوگوں کو طاعت کا حکم دینا اور معصیت سے روکنا۔ خدا کے قانون کو اپنے اور غیر سب پر یکساں نافذ کرنا اور اس معاملے میں اس بات کی پروا نہ کرنا کہ اس کی زد کس پر پڑتی ہے۔[۳۲] جائز طور پر لوگوں سے محاصل لینا اور جائز راستوں میں انہیں خرچ کرنا۔[۳۳]

مسلم شہریوں کے فرائض دوسری طرف وہ اپنے حکمرانوں کے معاملے میں مسلمانوں کے جو فرائض بتاتے ہیں وہ یہ ہیں: ان کی اطاعت کریں، نافرمانی نہ کریں۔ ان کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں۔ ان کو برا بھلا نہ کہیں۔ ان کی سختیوں پر صبر کریں۔ ان کو دھوکا نہ دیں۔ ان کے ساتھ سچے دل سے خیر خواہی برتیں۔ ان کو برائیوں سے روکنے کی کوشش کریں۔ اور صحیح کاموں میں ان کی مدد کریں۔[۳۴]

بیت المال کی ذمہ داری بیت المال کو وہ بادشاہ کی ملکیت کے بجائے خدا اور خلق کی امانت قرار دیتے ہیں اور خلیفہ کو متعدد مواقع پر حضرت عمرؓ کے وہ اقوال سناتے ہیں جن میں انہوں نے کہا ہے کہ حکومت کے خزانے کی حیثیت خلیفہ کے لیے ایسی ہے جیسے ولیِ یتیم کے لیے یتیم کے مال کی حیثیت ہوتی ہے۔ اگر وہ غنی ہو تو سے قرآن کی ہدایت کے مطابق مال یتیم میں سے کچھ نہ لینا چاہیے اور فی سبیل اللہ اس کی

[۲۹] الخراج، ص ۱۱۷۔

[۳۰] الخراج، ص ۵

[۳۱] ایضاً، ص ۶

[۳۲] ایضاً، ص ۱۲

[۳۳] ایضاً، ص ۱۰۸

[۳۴] ایضاً، ص ۹ - ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائداد کا انتظام کرنا چاہیے۔ اور اگر وہ حاجت مند ہو تو معروف طریقہ سے اتنا حق الخدمت لینا چاہیے جسے ہر شخص جائز تسلیم کرے[۳۵]۔ وہ حضرت عمرؓ کے اس طرزِ عمل کو بھی خلیفہ کے سامنے نمونے کے طور پر رکھتے ہیں کہ وہ بیت المال سے خرچ کرنے میں اس سے بھی زیادہ جزرسی برتتے تھے جتنی کوئی شخص اپنے مال سے خرچ کرنے میں برتتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کوفہ کے قاضی، امیر اور افسر مالگزاری مقرر کرتے ہوئے تینوں کے خاندان کی خوراک کے لیے روزانہ ایک بکری دینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "جس زمین سے روز ایک بکری افسروں کے لیے لی جائے وہ تو جلدی برباد ہو جائے گی"[۳۶] وہ خلیفہ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ اپنے حکام کو سرکاری مال ذاتی استعمال میں لانے سے روک دے[۳۷]۔

ضرب محاصل کے اصول | ٹیکس عائد کرنے کے بارے میں جو اصول وہ بیان کرتے ہیں وہ یہ ہیں: لوگوں کے صرف زائد از ضرورت اموال پر ٹیکس عائد کیا جائے۔ ان کی رضامندی سے ان پر بار ڈالا جائے۔ کسی پر اس کی قوتِ برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔ مال داروں سے لیا جائے اور غریب طبقوں پر خرچ کیا جائے[۳۸]۔ محاصل کی تشخیص اور ان کی شرح کی تعیین میں اس بات کا پورا خیال رکھا جائے کہ حکومت لوگوں کا خون نہ چوس لے تحصیل میں ظالمانہ طریقوں سے کام نہ لیا جائے[۳۹]۔ از روئے قانون مقرر کیے ہوئے محاصل کے سوا کسی قسم کے ناجائز ٹیکس نہ حکومت لے اور نہ مالکانِ زمین یا اپنے عاملوں کو لینے دے[۴۰]۔ جو ذمی مسلمان ہو جائیں ان سے جزیہ نہ لیا جائے[۴۱]۔ اس سلسلے میں وہ خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کو بطور نمونہ

---

۳۵ الخراج، ص ۳۶-۱۱۷

۳۶ ایضاً، ص ۳۶

۳۷ ایضاً، ص ۱۸۶

۳۸ ایضاً، ص ۱۴

۳۹ ایضاً، ص ۱۶-۳۷-۱۰۹-۱۱۴

۴۰ ایضاً ۱۰۹-۱۳۲

۴۱ ایضاً، ص ۱۲۲-۱۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و نظیر پیش کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت علیؓ کا یہ واقعہ کہ انہوں نے اپنے عامل کو عوام کے سامنے ہدایات دیتے ہوئے تو یہ کہا کہ ان سے پورا پورا خراج وصول کرنا اور ذرا رعایت نہ کرنا، مگر علیحدگی میں بلا کر اسے سخت ہدایت کی کہ خبردار، کسی کو مار پیٹ کر یا دھوپ میں کھڑا کر کے خراج وصول نہ کرنا اور نہ ایسی سختی کرنا کہ وہ سرکاری واجبات ادا کرنے کے لیے اپنے کپڑے یا برتن یا جانور بیچ ڈالنے پر مجبور ہو[۴۲] اور حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ کہ وہ اپنے افسرانِ بندوبست پر جرح کر کے یہ اطمینان کر لیتے تھے کہ کاشتکاروں پر مالگزاری تشخیص کرنے میں ان کی کمر توڑ دینے سے اجتناب کیا گیا ہے، اور جب کسی علاقے کے محاصل آتے تھے تو عوام کے نمائندوں کو بلا کر گواہیاں لی جاتی تھیں کہ کسی مسلمان یا ذمّی مزارع پر ظلم ڈھا کر تحصیل نہیں کی گئی ہے[۴۳]۔

غیر مسلم رعایا کے حقوق اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کے بارے میں امام ابو یوسف حضرت عمرؓ کے حوالہ سے تین اصول بار بار اس کتاب میں نقل کرتے ہیں (۱) جو عہد بھی ان سے کیا گیا ہو اسے پورا کیا جائے، (۲) مملکت کے دفاع کی ذمّہ داری ان پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر ہے اور (۳) ان کی طاقت سے زیادہ ان پر جزیہ اور مالگزاری کا بوجھ نہ ڈالا جائے[۴۴]۔ پھر وہ بتاتے ہیں کہ مسکین، اندھے، بوڑھے، راہب، عبادت گاہوں کے کارکن، عورتیں اور بچے جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ ذمّیوں کے اموال اور مواشی پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ ذمّیوں سے جزیہ وصول کرنے میں مار پیٹ اور جسمانی ایذا سے کام لینا جائز نہیں۔ عدم ادائیگی کی پاداش میں زیادہ سے زیادہ صرف قید کیا جا سکتا ہے۔ مقرر جزیہ سے زائد کوئی چیز ان سے وصول کرنا حرام ہے۔ اور معذور و محتاج ذمّیوں کی پرورش حکومت کے خزانہ سے کی جانی چاہیے[۴۵]۔ وہ تاریخی واقعات پیش کر کے یہ بات ہارون الرشید کے ذہن نشین کرتے ہیں کہ ذمّیوں کے ساتھ فیاضانہ اور شریفانہ سلوک کرنا خود سلطنت کے لیے مفید ہے۔ حضرت

---

[۴۲] الخراج، ص ۱۵، ۱۶

[۴۳] ایضاً، ص ۳۷، ۱۱۴

[۴۴] ایضاً، ص ۱۴ - ۳۷ - ۱۲۵

[۴۵] ایضاً، ص ۱۲۲ تا ۱۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمر کے زمانہ میں اسی برتاؤ کی وجہ سے شام کے عیسائی خود اپنے ہم مذہب رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے وفادار و خیر خواہ ہوگئے تھے۔[46]

زمین کا بندوبست زمین کے بندوبست کے سلسلہ میں امام ابو یوسف زمینداری کی اس قسم کو حرام قرار دیتے ہیں جس میں حکومت کاشتکاروں سے مالگزاری وصول کرنے کے لیے ایک شخص کو ان پر زمیندار بنا کر بٹھا دیتی ہے اور اسے عملاً یہ اختیار دے دیتی ہے کہ حکومت کا لگان ادا کرنے کے بعد باقی جو کچھ جس طرح چاہے کاشتکاروں سے وصول کرتا رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ رعیت پر سخت ظلم اور ملک کی بربادی کا موجب ہے اور حکومت کو یہ طریقہ کبھی اختیار نہ کرنا چاہیے۔[47] اسی طرح وہ اس طریقے کو بھی قطعی حرام قرار دیتے ہیں کہ حکومت کسی کی زمین لے کر کسی کو جاگیر میں دے دے۔ وہ کہتے ہیں کہ "امام اس کا مجاز نہیں ہے کہ کسی مسلمان یا ذمی کے قبضے سے کوئی چیز نکال لے جب تک کہ از روئے قانون اس پر کوئی ثابت یا معروف حق واجب نہ آتا ہو"۔ من مانے طریقے پر لوگوں کی ملکیتیں چھین کر دوسروں کو عطا کرنا ان کے نزدیک ڈاکہ مار کر بخشش کرنے کا ہم معنی ہے۔[48] وہ کہتے ہیں کہ زمین کے عطیے صرف اس صورت میں جائز ہیں جبکہ غیر آباد اور غیر مملوکہ زمینیں، یا لاوارث متروکہ اراضی، آبادکاری کی اغراض کے لیے یا حقیقی اجتماعی خدمات کے صلے میں، انعام کے طور پر، معقول حد کے اندر دی جائیں۔ اور اس طرح کا عطیہ بھی جس شخص کو دیا جائے وہ اگر تین سال تک اس کو آباد نہ کرے تو اس سے واپس لے لیا جانا چاہیے۔[49]

ظلم و ستم کا انسداد پھر وہ ہارون الرشید سے کہتے ہیں کہ ظالم اور خائن لوگوں کو حکومت کی خدمات میں استعمال کرنا اور انہیں محکموں کا افسر یا علاقوں کا حاکم مقرر کرنا آپ کے لیے حرام ہے۔ اس صورت میں جو ظلم بھی وہ کریں گے اس کا وبال آپ کے اوپر پڑے گا۔[50] وہ بار بار کہتے ہیں کہ آپ صالح، متدین اور

[46] الخراج، ص ۱۳۹

[47] ایضاً، ص ۱۰۵

[48] ایضاً، ص ۵۸ - ۶۰ - ۶۶

[49] ایضاً، ص ۵۹ تا ۶۶

[50] ایضاً، ص ۱۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا ترس لوگوں کو اپنی حکومت کے کاموں میں استعمال کریں، جن لوگوں کو بھی سرکاری خدمات کے لیے چنا جائے ان کی اہلیت کے ساتھ ان کے اخلاق کی طرف سے بھی اطمینان کر لیا جائے، اور پھر ان کے پیچھے قابل مخبر لگا دیئے جائیں تاکہ اگر وہ بگڑیں اور ظلم وستم یا خیانت کرنے لگیں تو بروقت خلیفہ کو ان کے اعمال کا حال معلوم ہو جائے اور ان سے محاسبہ کیا جا سکے[۵۱]۔ وہ ہارون سے یہ بھی کہتے ہیں کہ خلیفہ کو خود براہ راست عوام کی شکایات سننی چاہییں۔ اگر وہ مہینے میں ایک دن بھی اجلاس عام کرے جس میں ہر مظلوم آکر اپنی شکایت پیش کر سکے اور حکومت کے افسر جان لیں کہ خلیفہ تک براہ راست ان کے افعال کی اطلاعات پہنچ سکتی ہیں تو ظلم و ستم کا سدباب ہو جائے[۵۲]۔

عدلیہ | عدلیہ کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اس کا فریضہ انصاف اور بے لاگ انصاف ہے۔ جو سزا کا مستحق ہو اسے سزا نہ دینا، اور جو مستحق نہ ہو اسے سزا دینا دونوں یکساں حرام ہیں۔ شبہات میں سزا نہ دی جانی چاہیے۔ معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔ انصاف کے معاملے میں ہر قسم کی مداخلت اور سفارش کا دروازہ بند ہونا چاہیے۔ اور کسی شخص کے مرتبے یا حیثیت کا قطعاً لحاظ نہ ہونا چاہیے[۵۳]۔

شخصی آزادی کا تحفظ | وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی شخص کو محض تہمت کی بنا پر قید نہیں کیا جا سکتا۔ لازم ہے کہ جس شخص کے خلاف کوئی الزام ہو اس پر باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے، شہادتیں لی جائیں، اگر جرم ثابت ہو تو قید کیا جائے ورنہ چھوڑ دیا جائے۔ وہ خلیفہ کو مشورہ دیتے ہیں کہ تمام لوگ جو قید خانوں میں محبوس ہیں ان کے معاملے کی تحقیقات ہونی چاہیے، بلا ثبوت و شہادت جو لوگ بھی قید ہوں انہیں رہا کر دینا چاہیے، اور آئندہ کے لیے تمام گورنروں کو احکام دینے چاہییں کہ کسی شخص کو محض الزامات اور تہمتوں کی بنا پر مقدمہ چلائے بغیر قید نہ کیا جائے[۵۴]۔ وہ اس بات کو بھی پورے زور کے ساتھ کہتے

---

[۵۱] الخراج، ص ۱۰۶-۱۰۷-۱۱۱-۱۳۲-۱۸۶

[۵۲] ایضاً، ص ۱۱۱-۲۱۲ [۵۳] ایضاً، ص ۱۵۲-۱۵۳

[۵۴] ایضاً، ص ۱۷۵-۱۷۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں کہ ملزموں کو محض تہمت کی بنا پر مارنا پیٹنا خلافِ قانون ہے۔ شرعاً ہر آدمی کی پیٹھ اس وقت تک محفوظ ہے جب تک عدالت سے وہ ضربِ تازیانہ کا مستحق نہ قرار پا جائے۔[۵۵]

جیل کی اصلاحات انہوں نے جیل کے بارے میں جو اصلاحات تجویز کی ہیں ان میں وہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو قید کیا جائے اس کا یہ حق ہے کہ اسے حکومت کے خزانے سے روٹی کپڑا دیا جائے۔ وہ شدت کے ساتھ اُس طریقے کی مذمت کرتے ہیں جو بنی اُمیہ و بنی عباس کی حکومتوں میں رائج ہو گیا تھا کہ قیدیوں کو روزانہ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے ساتھ باہر لے جایا جاتا تھا اور وہ بھیک مانگ کر روٹی کپڑا اپنے لیے لاتے تھے۔ وہ خلیفہ سے کہتے ہیں کہ یہ طریقہ بند ہونا چاہیے اور قیدیوں کو سرکار کی طرف سے گرمی جاڑے کا کپڑا اور پیٹ بھر کا کھانا ملنا چاہیے۔ اسی طرح وہ اس بات کی بھی سخت مذمت کرتے ہیں کہ لاوارث قیدی جب مر جاتا ہے تو اسے بلا غسل و کفن اور بلا نمازِ جنازہ گاڑ دیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اہلِ اسلام کے لیے یہ بڑے شرم کی بات ہے۔ ایسے قیدیوں کی تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ کا انتظام سرکار کی طرف سے ہونا چاہیے۔ انہوں نے یہ بھی سفارش کی ہے کہ جیل میں کسی قیدی کو، قتل کے مجرمین کے سوا، باندھ کر نہ رکھا جائے۔[۵۶]

ان کے کام کی اصل قدر و قیمت یہ خلاصہ ہے ان آئینی تجاویز کا جو امام ابو یوسف نے اب سے ۱۲ سو برس پہلے ایک مطلق العنان فرمانروا کے سامنے اس کے وزیرِ قانون اور قاضی القضاۃ کی حیثیت سے پیش کی تھیں۔ اگر ان کو اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں اور خلافتِ راشدہ کے دستور العمل اور خود اُن کے استاد امام ابو حنیفہ کی تعلیمات کے مقابلہ میں دیکھا جائے تو یہ ان سے بہت کم نظر آتی ہیں۔ ان میں انتخابی خلافت کے تصور کا شائبہ تک نہیں ہے۔ ان میں شوریٰ کے ذریعہ سے حکومت کرنے کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ اس تصور سے بھی خالی ہیں کہ امام ظالم کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور خلق اس کی مجاز ہے کہ اس کی

---

۵۵ الخراج ص ۱۵۱

۵۶ ایضاً ص ۱۵۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت کی جگہ بہتر حکومت لانے کی کوشش کرے۔ اسی طرح دوسری متعدد حیثیات سے بھی یہ تجاویز اسلامی تصور کے مقابلے میں بہت ناقص ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امام ابو یوسف کے تصور ریاست کی وسعت بس اتنی ہی ہے جتنی کتاب الخراج کی ان تجاویز میں پائی جاتی ہے اور وہ درحقیقت اس سے زیادہ کچھ نہ چاہتے تھے جو انہوں نے اس کتاب میں بیان کر دیا ہے۔ بلکہ دراصل یہ وہ زیادہ سے زیادہ چیز تھی جس کی ایک عملی مفکر کی حیثیت سے وہ سلطنت عباسیہ کے اُس دَور میں توقع کر سکتے تھے۔ ان کے پیش نظر محض ایک ایسا خیالی نقشہ پیش کرنا نہ تھا جو تصور کی حد تک مکمل ہو مگر واقعی حالات میں اس کو جامۂ عمل پہنانے کے امکانات نہ ہوں۔ اس کے بجائے وہ ایک ایسی آئینی اسکیم مرتب کرنا چاہتے تھے جو اسلامی ریاست کے کم سے کم جوہرِ مطلوب کی حامل بھی ہو اور اس کے ساتھ اسے ان حالات میں بروئے عمل بھی لایا جا سکتا ہو۔

© rasailojaraid.com